تحقیقی مجلہ تصدیق
جلد۰۱ شمارہ۰٦، ۲۰۲۴

Article

Mirza Muhammad Hadi Ruswa: The Pioneer of Psychological Criticism in Urdu

مرزا محمد ہادی رسوا: اردو میں نفسیاتی تنقید کا نقیبِ اوّل

[1]Naveed Akhtar, [2]Dr Muhammad Imtiaz
[1]Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Sarhad University of Science and information Technology, Peshawar
[2]Associate Professor, Department of Urdu, Sarhad University of Science and information Technology, Peshawar
Correspondence: naveedtoru72@gmail.com

[1]نوید اختر، [2]ڈاکٹر محمد امتیاز
[1]پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، سرحد یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور،
[2]ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

ABSTRACT: Mirza Muhammad Hadi Ruswa is considered a popular and eminent Urdu novelist in the early 19th century. His novel "Umrao Jan Ada" was acclaimed and received positive responses from critics and readers. This novel may also be the first psychological novel in Urdu. In this novel, he portrays the life of a scarlet woman named "Umrao Jan Ada. Ruswa has a multidimensional personality, besides this, he is one of the most famous and prominent novelists, but also a well-known critic. Ruswa is the first critic who laid the foundation of the psychological school in Urdu criticism. Earlier, the criticism of the Urdu novel was theoretical criticism, which only discussed the form of the story. In this regard, the preface of the novel "Afsha e Raz" (افشائے راز) and his five critical letters in which he recommended the use of psychology to examine the criticism of the novel. Ruswa has the primacy in Urdu literature that he systematically tried to understand literature in the light of psychology, therefore he can rightly be called the first psychological critic of Urdu.

KEYWORDS: Stream of Consciousness, Psycho Analysis, Nostalgic State, Psychological Criticism, Simultanity, Association of Ideas.

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/dsb5gt30
Received:18-05-2024
Accepted:08-07-2024
Online:10-07-2024

Copyright: © 2023 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

مرزا محمد ہادی رسوا (۱۸۵۸ء تا ۱۹۳۱ء) ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ایک مستند ناول نگار کے علاوہ آپ شاعر، مترجم، ڈرامانگار، ماہر کیمیادان، ماہرِ ریاضی، اردو ٹائپ رائٹر کی بورڈ اور اردو شارٹ ہینڈ کے موجد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔اردو ادب میں رسوا کی پہچان امراؤ جان ادا جیسے لافانی ناول کے تخلیق کار کی وجہ سے ہے۔رسوآنے جس طرح اردو ناول کو بامِ عروج تک پہنچایا، اسی طرح فکشن کی تنقید کو بھی مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔

رسوا نے پہلے ناول "افشائے راز"(۱۸۹۶ء) اور پھر "ذات شریف"(۱۹۰۰ء) کے دیباچوں میں فنِ ناول نگاری پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ اس سے ناول کے متعلق ان کے جدید تنقیدی شعور کا پتہ چلتا ہے۔اس کے علاوہ رسوا کے تنقیدی مراسلات بھی کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ جن میں ادب کے مختلف گوشوں پر تنقید کی گئی ہے۔اگرچہ یہ تنقیدی مراسلات زیادہ تر شاعری کے متعلق ہیں ، مگر باتوں باتوں میں ناول کے بارے میں بھی انھوں نے اپنی بصیرت افروز رائے دی ہے۔یہ تنقید مراسلات اردو ادب میں ایک خوش گوار اضافہ ہے جس سے غور و فکر کے نئے در واہونے کا قوی امکان ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر محمد حسن ان مراسلات کی تنقیدی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ تنقیدی مقالات آج بھی اردو تنقید کی دنیامیں ایک نئی آواز ہیں۔یہ آداز، آوازِ بازگشت نہیں اس میں نئے دور کی بصیرت ہے۔"[۱]

رسوا کی ناول کے متعلق تنقید سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ناول کی صنف میں طبع آزمائی اس لیے نہیں کی کہ مولوی نذیر احمد کی طرح وہ ناول کو اخلاقی تعلیم کے ترویج کا ذریعہ سمجھتے تھے اور نہ ہی عبدالحلیم شرر کی طرح قوم کو عظمتِ رفتہ کی شان دار کہانیاں سنا کر جوشِ قومی کو برانگیختہ کرنا مقصود تھا۔ اسی طرح معاصرین میں سرشار کی طرح صحافتی ذمہ داریاں آڑے بہ امرِ مجبوری ناول تخلیق نہیں کیے۔وہ اپنی سیمابی فطرت کی وجہ سے ہر بار کچھ نیا کرنے اور تفریحِ طبع کے لیے ناول لکھے اور خوب لکھے۔

ناول "افشائے راز" کا دیباچہ ناول نگاری کی تنقید میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔اس طویل دیباچے میں رسوآنے پہلی بار ناول کے فن کے تقاضوں کو محسوس کیا۔اگرچہ "افشائے راز" میں انھوں نے ناول کے اجزا اور قصہ پن پر زیادہ توجہ نہیں دی، مگر بعد کے ناولوں میں ان کو برتنے کی پوری پوری کوشش کی۔ ان کے سامنے ان کے متقدمین اور معاصرین کے ناولوں کے نمونے موجود تھے۔انھوں نے ان تمام ناولوں کو بنظرِ غائر پڑھا، جانچا پرکھا اور ان کے حسن و معائب پر پوری توجہ دی۔

ناول کے فن کی تفہیم اور تشریح و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ناول میں حقیقی واقعات کا بیان اور عبارت میں سادگی اور سلاست کی خوبی ہونا اصل چیز ہے۔ناول کی زبان کے متعلق ان کی رائے ہے کہ تکلف اور تصنع سے پاک، نیم ادبی اور عوام کی

عام بول چال کے مطابق ہو۔ مکالموں میں اردو زبان کی سلاست اور برجستگی کو مدِ نظر رکھاجائے۔ بے جااور زور زبردستی کے مکالموں سے حتی الامکان احتراز برتاجائے۔ ناول کی ایک خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اردو محاروں کا استعمال حسبِ حال ہو۔ بعض موقعوں پر ناول کی طوالت کے حق میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ ناول کی ضرورت ہوتی ہے، جو لوگ ناول کے فن سے واقف ہیں وہ اس طوالت کو ناول نگار کے حسبِ منشا سمجھیں گے، اور جو اس طوالت سے بیزاری اور بوریت محسوس کریں گے وہ دراصل ناول پڑھنے اور اس سے حظ اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کے لیے اردو میں داستانی طرزِ قصہ کے نمونے موجود ہیں۔ ناول الگ اسلوب کا متقاضی ہے اس کا مقصد حقیقی انسانی واقعات ہوتے ہیں۔

اس دیباچے میں ناول کے فن اور مقصدیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسانی فطرت کے تجربات اور مشاہدات کے بغیر ناول کی تخلیق کا تصور ناممکن ہے۔ ناول فطرتِ انسانی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس میں حقیقی واقعات کی عکاسی کی کوشش کی جاتی ہے۔ ناول کا قصہ اور اس کے کردار ارد گرد کے ماحول سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں تک ناول کے موضوعات کا تعلق ہے رسوا لکھتے ہیں کہ ناول دراصل انسان کی حقیقی حالت کے مختلف اقسام کا مرقع ہوتا ہے جس میں اس کی زندگی کی ہوبہو تصویر نظر آتی ہے۔ یہاں تک انھوں نے ناول نویسی کے لیے ایسے لوگوں کی سوانحِ عمریوں کو بھی ناول کا موضوع بنانے پر زور دیا ہے جن میں پڑھنے والوں کے لیے تجسس کا عنصر موجود ہو۔ ان کی نظر میں ناول عام لوگوں کی نہیں بلکہ اہل فن کی نظروں سے دیکھا جائے۔

مرزا ہادی رسوا اردو میں وہ پہلے ناول نگار ہیں جو فلسفے اور نفسیات کا شغف رکھتے تھے۔ ان ہی علوم پر دسترس کی وجہ سے انھوں نے اردو فکشن کی تنقید کو نئی جہت عطا کی۔ رسوا نے "افشائے راز" کے دیباچے میں پہلی بار تنقید کے نفسیاتی دبستان کی بات کی۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "فکر کے سوا انسان کے دماغ میں ایک اور بھی قوت ہے جس کو خیال کہتے ہیں۔ یہ ایسی سیر بیں ہیں جس طرف ایک ادنیٰ توجہ کرنے سے آئندہ اور گزشتہ حالات کے ہوبہو نقشے آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ ناول ایک ایسی عمدہ چیز ہے جس کے ذریعہ ہم وہی نقشے دوسروں کو بھی دکھاسکتے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ مفید اور دل چسپ انسان کے حالات ہیں۔ نہ صرف ظاہری حالات بلکہ اس کے باطنی اور بعید از نظر کیفیتیں اسی کے ذریعے دکھائی جاسکتی ہیں۔ بشرطیہ کہ واقعات کی صحیح تصویر کھینچنے کی کوشش کی جائے۔ غرض یہ کہ ناول سے مختلف قسم کے انسانوں کی فطری حالت دکھائی جاتی ہے اور اس لیے اس احاطہ کا بھی ذکر ضروری ہوجاتاہے جس میں اس کی نشوونما ہوئی ہو تاکہ ملک کے رسم

ورواج، تعلیم، معاشرت، قانون اور اتفاقات کی وجہ سے جو امور ممکن الوقوع ہیں ان کا شرح بیان ہو سکے۔"[۲]

رسواؔ چوں کہ طبع رسا اور خلاقانہ صلاحیتوں کے مالک تھے ،اس لیے ناول میں پہلی بار نفسیاتی اصطلاحات ، لاشعور اور تحت الشعور کی کیفیات کی عکاسی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہاں سے اردو تنقید مدح سرائی سے نکل کر نفسیات کی سرحد میں داخل ہوئی۔ رسواؔ کا خارجیت کے ساتھ انسان کے باطنی یعنی داخلیت (لاشعور)اور بعید از نظر کیفیات (تحت الشعور) کا نقشہ کھینچنے کی بات دراصل اردو میں نفسیاتی تنقید کی ابتدائی صورت ہے۔ رسواؔ ناول کے کینوس کو وسعت دینے اور اس میں انسان کی داخلی زندگی کی عکاسی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ناول میں انسان کی فطری حالت اور پھر وہ ماحول جس میں اس کی نشوونما ہوئی ہو، اس کا احاطہ کرنا بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ فرد کی نشوونما جس ماحول میں ہوئی ہے اس کے اثرات اس کی شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں۔ ناول کے کرداروں کے لاشعوری اعمال اور پھر پورے ماحول کے ساتھ ان تعلق دراصل تنقید کے نفسیاتی دبستان کے مباحث ہیں۔

رسواؔ نے جس وقت اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ اردو ادب ابھی تک شعور، لاشعور اور تحلیلِ نفسی جیسی اصطلاحات سے روشناس ہی نہیں ہوا تھا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"یہاں لاشعور اور تحت الشعور کی اصطلاحیں استعمال کیے بغیر وہ دراصل انسانی زندگی میں تحت الشعور کی کارفرمائیوں اور لاشعوری محرکات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ایسے ہی خیالات کی وجہ سے انہیں نہ تو ہم عصر ناول نگار پسند تھے اور نہ ہی وہ ان جیسا ادب تخلیق کر سکے۔ امراؤجان ادا کے مصنف کے خیالات کی مانند خود یہ ناول بھی انسانی نفسیاتی گہرائی کا حامل ہے۔"[۳]

رسواؔ کے درج بالا اقتباس سے جو بات پہلی مرتبہ سامنے آئی ہے وہ یہ کہ اردو ناول نفسیاتی تنقید سے روشناس ہوئی۔ رسواؔ نے پہلی مرتبہ کرداروں کی خارجیت سے قطع نظر ان کی داخلی کیفیت کو بیان کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ دیباچہ اردو ناول کی تنقید میں منارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے جس میں قدیم طرزِ قصہ گوئی کے معائب، جدید طرزِ قصہ کی راہ میں آنے والی مشکلات ،ناول کے موضوعات اور کرداروں پر بحث کی گئی ہے۔ رسواؔ اس لحاظ سے بھی اردو ناول کی تاریخ میں منفرد اہمیت کے حامل ہیں کہ اس نے پہلی مرتبہ اردو میں نفسیاتی تنقید کے ساتھ نفسیاتی ناول کی بنیاد بھی رکھی۔ رسواؔ کا ناول "امراؤجان ادا" کے کرداروں کی نفسیاتی الجھنیں اور باطنی کش مکش واضح طور پر علمِ نفسیات کے تعلق رکھتی ہیں۔

نفسیاتی تنقید کا محور و منبع یہی ہے کہ فن پارے کے کرداروں کے ساتھ ساتھ مصنف کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیات کو بھی موضوعِ بحث لائیں۔ نفسیاتی اصول ولوازم کو پرکھنے والا نقاد دورانِ تنقید فن پارے اور فن کار کے مطالعے سے کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ نفسیاتی تنقید کن عوامل کو زیرِ غور لا کر بحث کرتی ہے اور پھر اس بحث کے نتیجے میں ان کی درجہ بندی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "(الف)۔ مختلف اصنافِ ادب کے نفسیاتی محرکات کا سراغ، وضاحت اور تخلیقی عمل یا مخصوص تخلیقات سے ان کے رابطہ کی تفہیم۔
>
> (ب)۔ تخلیق کار کی شخصیت کی نفسی اساس کی دریافت اور پھر اس کی روشنی میں تخلیقی شخصیت کا مطالعہ۔
>
> (ج)۔ نفسیاتی اصولوں کے سیاق وسباق میں مخصوص تخلیقی کاوشوں کی تشریح وتوضیح اور پھر ان کے ادبی مرتبے کا تعین۔"[۴]

اردو ناول نگاری میں نفسیاتی کش مکش کی بنیاد ناول "امراؤجان ادا" کی صورت میں ڈالی۔ امراؤجان ادا، اردو کا پہلا ناول ہے جس میں شعور کی رو (Stream of Consciousness)، بعض کرداروں کی تحلیلِ نفسی (Psycho Analysis)، ناسٹلجیائی کیفیت (Nostalgic State) اور آزاد تلازمہ خیال (Association of Ideas.) جیسی نفسیاتی اصطلاحات سے رسواؔ کے عمیق نفسیاتی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ ناول کے کرداروں کے فطری پن سے رسواؔ کا انسانی نفسیاتی ادراک سے واقفیت عیاں ہوتی ہے۔ ناول میں جگہ جگہ کرداروں کی جس طرح نفسیاتی میلانات اور رجحانات کی عکاسی کی گئی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ رسواؔ نے کرداروں کے ذریعے انسانی نفسیات کے کئی نہاں خانے آشکارا کیے ہیں۔ ہمارے اردو ناول کی روایت میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں تھی کہ شعور کے تسلسل کی کارفرمائی کوئی ادنیٰ سا تجربہ ناول کے فن میں کیا گیا ہو۔ اس اولین تجربے کو سرانجام دینے والے بھی مرزا ہادی رسوا ہے۔

شعور کی رو (Stream of Consciousness) جیسی ادبی تکنیک کی اصطلاح سب سے پہلے امریکی فلسفی اور ماہرِ نفسیات ولیم جیمس نے ۱۸۹۰ء میں اپنی کتاب دستورِ نفسیات (The Principles of Psychology) میں استعمال کی۔ یہ تکنیک دراصل کردار کے احساسات، خیالات اور افعال کو ظاہر کرنے کے لیے عموماً ایک منطقی سلسلے کی بجائے نسبتی سلسلہ اپناتی ہے۔ شعور کی رو دراصل قبل از شعور حالت کی عکاسی کرتی ہے جو ذہن کی حسیاتی تنظیم کے وقت موجود تھی۔ اس میں ربط، تسلسل اور ہم آہنگی کی کمی ہوتی ہے۔ پروفیسر ولیم جیمس شعور کے تسلسل کے متعلق لکھتے ہیں:

"شعور دراصل ماضی و حال کے تمام مشاہدات ، مطالعات اور تجربات کا ایک حیرت ناک مجموعہ ہے اور ہر خیال ذاتی شعور کا ایک عنصر ہے جس کا وقار اعتبار کی اس ماہیت قلبی کے باعث بڑھ جاتا ہے، کیوں کہ انسان بہ یک وقت مختلف سطحوں پر اپنے تجربات جاری رکھ سکتا ہے۔اس لیے وہ بہ یک وقت ذہنی شعور کے مختلف گوشوں سے استفادہ کرسکتا ہے۔ذہنی زندگی کی یہ ہم وقتی (Simultanity) مخصوص اہمیتوں کی حامل ہے۔اس لیے چشمۂ شعور کے فن کار اپنے کرداروں کی داخلی زندگی کی باز آفرینی کرتے ہوئے خارجی عوامل سے بھی تعلق دکھانے میں کامیاب رہتے ہیں۔"۵

"امراؤ جان ادا" میں بعض کرداروں کی تحلیلِ نفسی سے مصنف کا نفسیاتی شعور سے گہرے لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ناول کے زیادہ تر کردار اپنے تجربات واحساسات کو جس طرح بیان کرتے ہیں ،ان سے رسوا کا انسانی نفسیات کا ادراک ظاہر ہوتا ہے۔رسوا نے اپنے کرداروں کے ذریعے انسانی نفسیات کے کئی پوشیدہ خانوں کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کے علاوہ رسوا نے "امراؤ جان ادا" میں ناول کے مرکزی کردار "امراؤ" کی ناسٹلجیائی کیفیت کو بھی ناول میں بعض موقعوں پر نمایاں کرنے کی سعی کی ہے۔ناسٹلجیا ایک نفسیاتی کیفیت ہے جس کے متعلق اکرم کنجاہی لکھتے ہیں:

"ماضی کی ان دبی ہوئی باتوں، یادوں اور واقعات کو جب ہم حال سے بہتر سمجھ کر تخلیقات کا حصہ بناتے ہیں تو یہ ناسٹلجیا ہے۔"٦

ڈاکٹر محمد اشرف کمال ناسٹلجیا کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"پچھلی باتوں ، گزرے دور کو شعور کا حصہ بنانے اور بکھرتے سانچوں کو منظم کرنے کی حسرتِ تعمیر ناسٹلجیا ہے۔"۷

مرزا رسوا کے خیال میں ناول کا مرکزی کردار عام انسان بھی ہو سکتا ہے۔کیوں کہ ان کی زندگی میں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو بڑی حد تک جاذبیت رکھتے ہیں۔مرزا رسوا "افشائے راز" کے دیباچے میں آگے لکھتے ہیں کہ ناول میں جاذبیت اور دل چسپی پیدا کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ اس میں تاریخ کے بڑے بڑے مشاہیر کو ہیرو کے کردار میں پیش کیا جائے۔رسوا تاریخی ناول کے مرکزی کرداروں پر طنز کے نشتر برساتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ ہم ناول نویسی کے لیے ایسے اشخاص کی سوانح عمری کی تفتیش کریں جن کے مفصل حالات ہم معلوم نہیں کرسکتے۔خود ہمارے عزیزوں اور دوستوں میں ایسے لوگ ہیں جن کے حالات دراصل بہت ہی دل چسپ ہیں مگر ان کے سننے کی ہمیں پروا

نہیں کیوں کہ ہمیں سکندرِ اعظم، محمود غزنوی، ہنری ہشتم، ملکہ این، نپولین بوناپارٹ کی تاریخوں کی ضخیم جلدوں سے فرصت ہی نہیں ملتی۔"[۸]

درج بالا اقتباس سے مرزا رسوا کا تاریخی ناول نگاری کے بارے میں صائب رائے سامنے آتی ہے۔ وہ اس قسم کے ناولوں کے لیے تاریخی واقعات اور کرداروں کا انتخاب معیوب سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں تاریخ میں گزرے عبقری شخصیات کو ناول کا موضوع بنا کر پیش کرنا کوئی ہنر مندی نہیں ہے کیوں کہ بڑے ناموں کی موجودگی بڑے ناول کی تخلیق کا سبب نہیں بن سکتا۔ اکثر ہمارے تاریخی ناولوں میں نام بڑے اور درشن چھوٹے والی کیفیت ہوتی ہے۔ بڑے نام کبھی بھی بڑے ناول کی تخلیق کی ضمانت نہیں بن سکتے۔ ناول میں عام لوگوں کی کہانی کو موثر پیرائے میں بیان کرنے سے ناول کی وقعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناول نگار کا اسلوب اور طرزِ بیان اس میں دل چسپی کا عنصر پیدا کرتا ہے۔ اس کی مثال دنیا کی تمام زبانوں کے ادب میں موجود ہے۔ خود ہمارے اردو ادب میں "خدا کی بستی"، "خونِ جگر ہونے تک"، "جانگلوس"، "جھوک سیال"، میدانِ عمل"، "کئی چاند تھے سر آسماں" اور "بہاؤ" جیسے لافانی ناول تخلیق کیے گئے ہیں جن کے کردار متوسط نچلے طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن فن اور موضوع کے لحاظ سے بڑے بڑے تاریخی ناولوں سے زیادہ مشہور و معروف ہیں۔

ناول کا فن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس میں روزمرہ کی صاف ستھری سلیس زبان کا استعمال ہو۔ نامانوس، ثقیل الفاظ اور لفظی شعبدہ گری سے ناول کے فن کو مجروح نہ کیا جائے۔ افشائے راز کے دیباچے میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نیاز مند کو نہ اس زمانے کی طرزِ تحریر پسند ہے اور نہ اس کے لکھنے کی لیاقت اور آپ بیتی لکھیے تو جس طرح ہم آپ باتیں کرتے ہیں۔ براہِ مہربانی ان الفاظ اور تراکیب سے معاف کیجیے گا جن کی قوت بسبب کثرتِ استعمال کے بالکل زائل ہو گئی اور اب ان میں کسی قسم کی ندرت باقی نہیں رہی بلکہ ایک طرح کی نفرت خیز عفونت پیدا ہو گئی ہے۔"[۹]

اس اقتباس میں ناول کی زبان کس طرح ہونی چاہیے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رسوا ناول میں کرداروں کے حسبِ حال زبان استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ ناول کے مکالمے حفظِ مراتب کے مطابق ہوں، یعنی جیسا کردار ویسی ہی فطری زبان۔ ناول میں بھاری بھرکم اور پُر شکوہ الفاظ کا استعمال اسے غیر فطری بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے گھسے پٹے الفاظ اور تراکیب جو ہزار ہا بار استعمال ہوئے ہوں اور ان میں کسی قسم کی ندرت و جدت باقی نہ ہوں۔ ان کا ناول میں استعمال سب سے بری خامی ہے۔ رسوا خود زبان و بیان کی جدت و ندرت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اس بارے میں ان کا منشا یہی تھا کہ روزمرہ کی سادہ، سلیس اور عام فہم زبان کا استعمال ناول کا خاصہ ہونا چاہیے۔

مرزا رسوا کا دوسرا ناول "ذات شریف" ۱۹۰۰ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس ناول کے دیباچے میں بھی رسوا نے ناول کے فن کے متعلق اچھی خاصی پُر مغز بحث کی ہے، جو ان کے ناول کے فن کے متعلق کی تنقیدی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دیباچے کی ابتدا میں انھوں نے تاریخ ناول نگاری پر رائے زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"قصہ کہانیوں کے لکھنے والے بھی ایک طرح کے مورخ ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کی لکھی ہوئی تاریخ یعنی ان کا لکھا ہوا قصہ اس واقعہ نویسی سے جیسے تاریخ کہتے ہیں ایک حیثیت سے زیادہ تر قابلِ لحاظ اور قدر کے لائق ہے۔ اس لیے کہ تاریخ نویس خاص شخصوں کے اخلاق یا تمدنی حالات سے بحث کیا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک شخص کی شہرت بااعتبار کسی خصوصیت کے کوئی مادہ یا قوتِ حد اعتدال سے کم یا زیادہ ہو، لہٰذا اس شخصِ واحد کے واقعات اور حالاات میں عمومیت نہیں۔ قصہ کہانی کی کتابیں لکھنے والوں کو کسی خاص شخص کی سیرت سے کوئی سروکار نہیں، اس وجہ سے ذاتی اغراض کو بھی اس کوئی تعلق نہیں۔ تاریخ کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات ایک ہی شخص کے واقعات جنھیں دو مورخوں نے لکھا ہے بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ناول نویس ان واقعات کو علی العموم تحریر کر دیتا ہے جو اس نے اپنے زمانے میں دیکھے ہیں یا اسے دوسری عبارت میں یوں کہیے کہ زمانہ کی تصویریں جو اس کے دل و دماغ کے مرقع میں موجود ہیں۔ ان ہی کی نقلیں اتار کے ناظرین کو دکھاتا ہے، مگر یہ ان ناول نویسوں کا ذکر ہے جنھوں نے اس فنِ خاص میں صرف فطرت کو اپنا معلم بنالیا ہے، جو ناول نویس اس باریکی کو نہیں سمجھے وہ اکثر دھوکا کھاتے ہیں۔" [۱۰]

رسوا تاریخی ناول لکھنے والوں کو طنز و تشنیع کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں تاریخی کتب میں جن اشخاص کا ذکر کیا جاتا ہے ان کی سیرت و کردار میں عمومیت نہیں ہوتی۔ یعنی ایک کتاب دوسری کتاب سے کچھ الگ ہی تصویر دکھاتی ہے۔ مثال کے طور پر تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک ہستی کو نیک دل اور عادل بنا کر پیش کیا جاتا ہے تو دوسری کتاب میں اسے ظالم اور سفاک کے خطابات سے نوازا جاتا ہے۔ ان کے مقابلے میں قصہ لکھنے والا بھی ایک مورخ ہوتا ہے اور اس کا لکھی ہوئی کہانی تاریخ لکھنے والے سے زیادہ لائقِ تحسین و داد ہوتی ہے۔

ناول کی سب سے بڑی خوبی جو اسے داستانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے حقیقت نگاری۔ کہانی ناول کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا تعلق اس جہانِ آب و گل کے واقعات سے ہو اور اس کو ایک منظم اور مربوط پلاٹ میں پیش کیا جائے

جو قاری کی تجسس اور دل چسپی کا محرک ثابت ہو۔ ناول کا موضوع حقیقت کا متقاضی ہوتا ہے۔ حقیقت سے قریب تر موضوع اور پھر پُر کشش پلاٹ اسے زیادہ پُر تاثیر بنا دیتا ہے۔

مذکورہ اقتباس میں رسوا کا اشارہ ناول کے اجزائے ترکیبی زماں و مکاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ناول لکھنے والے کا مقصد و منشاء ایسے واقعات اور حالات کا انتخاب ہے جو ان کے اپنے زمانے میں وقوع پذیر ہوئے ہوں۔ ایسے واقعات جن کو دیکھ کر اس کی صحیح تصویر ان کے دل و دماغ پر نقش ہو گئی ہو۔ ان کی ہو بہو تصویر اپنے قارئین کے سامنے پیش کریں۔ یہ ان ناول نگاروں کا طرۂ امتیاز ہے جنھوں نے فطری حالات و واقعات سے کچھ سیکھا ہو۔ ایسے ناول نگار گردوپیش کے حالات کو ناول کے فن میں ڈھال کر قارئین کو حقیقی تصویر دکھاتے ہیں۔ جو ناول نگار فن کی اس باریکی کو سمجھنے سے قاصر ہیں، انھیں اکثر اپنی خام خیالی فریب دیتی ہے۔ مرزا رسوا ناول کی ایک اور خوبی کہ اس کی کہانی کا تعلق موجودہ زمانے سے ہونا چاہیے۔ اس کے فن کارانہ شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ رسوا کے اجزائے ترکیبی میں سے زمان و مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "ہمارے ناول نہ ٹریجڈی ہیں نہ کامیڈی۔ نہ ہمارے ہیرو تلوار سے قتل ہوئے اور نہ انھوں نے خودکشی کی ہے۔ نہ ہجر ہوا نہ وصل، ہمارے ناولوں کو موجودہ زمانے کی تاریخ سمجھنا چاہیے۔"[۱۱]

دراصل رسوا کا اشارہ اپنے زمانے کی سچی تصویر کشی کی طرف ہے۔ یعنی ناول کی کہانی کی حال کے واقعات پر منطبق ہو۔ اصنافِ ادب کی ایک جامع خوبی یہی ہے کہ اس میں عصری مسائل کی تصویر کشی جائے۔ ناول کا فن بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ اس میں گردوپیش کے مرقعے کھینچے جائیں تاکہ پڑھنے والے کو اس میں اپنے ماحول اور زندگی کا عکس نظر آئے۔ دیکھا جائے تو یہیں سے اردو میں ادب برائے زندگی کا نظریہ شروع ہوا۔

رسواؔ کے مطابق ناول کو حقیقی زندگی کا ترجمان ہونا چاہیے۔ اس کی بنیاد حقیقی واقعات پر رکھنی چاہیے تاکہ قاری کو اس میں اپنی زندگی کا عکس نظر آئے۔ ناول کی اسی خوبی کے متعلق لکھتے ہیں:

> "کسی قصہ کو دل چسپ بنانے کے لیے اصل حقیقت سے دور ہو جانا ایک ایسی غلطی ہے جس سے لکھنے والے کے مذاق کی قلعی کھل جاتی ہے۔ فطرت میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں اس سے بہتر عمدہ مثالیں ہم کو مل ہی نہیں سکتیں۔ اس کو سمجھ کے ہم نے اپنی تحریر کا یہی اصول قرار دیا ہے کہ جو چیزیں ہماری نظر سے گزر گئی ہیں اور ان سے ہماری طبیعت خود متاثر ہوئی ہے اسی کو ناول میں لکھ دیتے ہیں۔"[۱۲]

مرزا رسوا ناول میں حقیقت نگاری کے وصف کی بابت لکھتے ہیں کہ ناول کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں اصل واقعات اور حقائق کا بیان ہو۔واقعات کا حقیقت سے قریب تر ہونا قاری کی دل چسپی کا باعث بنتا ہے۔ایسی کہانی جس کا تانا بانا ارد گرد کے ماحول سے بُنا گیا ہو ،وہ قارئین کو متاثر کرتی ہے کیوں کہ اس میں ان کو اپنی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔کہانی کو دل چسپ بنانے کی خاطر اپنے قوتِ متخیلہ سے ایسی چیزیں شامل کرنا جو اصل حقیقت سے دور ہو،سب سے بڑی غلطی ہے۔ایسے واقعات جو ناول نگار کی آنکھوں سے سامنے وقوع پذیر ہوئے ہوں۔جنھوں نے اس کے دل ودماغ کو متاثر کیا ہو۔یعنی وہ چیزیں جو ناول نگار کے تجربات اور مشاہدات سے ہو گزری ہوں،ان کو ناول کے سانچے میں ڈال کر پیش کیے جائیں تو زیادہ پر تاثیر ہوتی ہیں۔فکشن میں وحدتِ تاثر کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔جن واقعات ،مشاہدات اور تجربات نے ناول نگار کو متاثر کیا ہو،ناول پڑھنے کے بعد وہی اثر پڑھنے والے بھی محسوس کریں۔ناول کا فن اس بات کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ کسی خاص واقعے کو ثابت کرنے کے لیے پلاٹ گھڑا جائے اور پھر اسی کی مناسبت سے اس میں دوسری چیزیں ڈال کر خانہ پری کی جائے۔یہ ناول کے فن کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔

فکشن نگار کی سوچ اور فکر جو تخلیقی فن پارے کے ذریعے وہ اپنے قارئین تک پہنچانا چاہتا ہے۔یہ وہ بنیادی نقطۂ نظر ہے جو فن پارے کی تخلیق کا سبب بنتا ہے۔ایک تخلیق کار کا منصب اس سے اس بات تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے قاری کو حقائق بر مبنی واقعات ناول میں کہانی کی صورت میں پیش کریں۔ناول کا فن اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس میں اصل زندگی کی ہو بہ ہو تصویر پیش کی جائے۔اس ضمن میں رسوا لکھتے ہیں:

> ”انسان کی طبیعتیں ایک خاص حدِ خاص تک ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں جن چیزوں نے ہم پر اثر کیا ہمیں یقین ہے وہ دوسروں پر بھی اثر کریں۔بعض معاصرین کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کسی امر خاص کے ثابت کرنے کے لیے پلاٹ (قصہ کا منصوبہ) بناتے ہیں اور اسی کے مناسبت سے خانہ پُری کر دیتے ہیں۔ہم ان پر اعتراض نہیں کرتے مگر اتنا کہ دینا کوئی قصور نہیں کہ ہمارا طرزِ تحریر اس کے برعکس ہے۔ہم صرف اصل واقعے کو ہو بہ ہو دکھانا چاہتے ہیں اور اس سے جو کچھ نتائج پیدا ہوں اس کی تحریر سے ہم کو مطلب نہیں۔“[۱۳]

پلاٹ کے متعلق رسوا کا نظریہ اپنے متقدمین اور معاصرین سے زیادہ بہتر اور واضح تھا۔وہ پلاٹ کا بہترین تصور رکھتے ہوئے اس بات کو ناول کے فن کی بابت نقص گردانتے تھے کہ کسی خاص کام کو انجام دینے کے لیے پلاٹ تشکیل دی جائے اور پھر اپنی مرضی سے اس میں دوسری چیزیں ٹھونسی جائیں۔رسوا ایسے ناول نگاروں پر اعتراض نہیں کرتے مگر اپنے تصور پلاٹ کو ان سے متمیز سمجھتے ہیں۔بقول رسوا کے ہمارا مطمع نظر اصل واقعے کی ہو بہو تصویر دکھانا ہے۔درج بالا باتوں کو مدِ نظر رکھتے

ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ رسوآ نے پلاٹ کے لیے جو اُصول متعین و مقرر کر دیے تھے وہ نقدِ ناول کے جدید اصولوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ پلاٹ کی درج بالا خوبیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عظیم الشان صدیقی رسوآ کے ناول امراؤ جان ادا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس ناول کا پلاٹ اگرچہ معاشرتی ناول کے انداز پر ترتیب دیا گیا ہے لیکن رسوآ نے ضبط وتوازن کا خاص خیال رکھا ہے۔ واقعات میں منطقی ربط ہے اور متعدد ضمنی پلاٹوں کے ذریعے اصل پلاٹ کے حسن کو دوبالا کیا ہے۔ اس ناول میں جس طرح رسوآ نے فنی لوازمات اور متعدد خوبیوں کو یکجا کر دیا ہے اس کا احساس اس سے قبل کسی ناول میں نہیں ہوتا۔"۱۴؎

مذکورہ دیباچے میں تاریخی ناول نگاری اور اس کے موضوعات پر طنز و تشنیع کے تیر برساتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی ایسے واقعے کو ناول کا موضوع بنانا جو ماضی بعید میں گزرا ہو اصحت کے ساتھ بیان کرنا محال ہے۔ رسوا لکھتے ہیں:

"ہمارے تخیل اس قدر وسیع نہیں کہ ہزاروں برس پہلے کے واقعات کے نقشے دکھا سکیں اور اس کے ساتھ ہی ہم اسے بھی معیوب جانتے ہیں کہ اگلے پچھلے واقعات میں غلط مبحث کر کے ایک نئی چیز پیدا کریں جو نہ اس زمانے کے موافق ہو اور نہ اس زمانے کے مطابق۔ اگر غور سے دیکھیے گا تو اکثر ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ تاریخی ناول لکھنا بڑی لیاقت اور محنت کا کام ہے۔ نہ ہمیں اتنی لیاقت نہ فرصت۔"۱۵؎

تاریخی ناول کے حوالے سے رسوا کا موقف بڑا واضح ہے۔ ان کا خیال ہے ایک تو تاریخی واقعات جو صدہا سال پہلے گزرے ہوں ان کو صحت کے ساتھ رقم کرنا ناممکن ہوتا ہے کیوں کہ زمانے کے تغیر و تبدل کا اثر اکثر واقعات پر بھی پڑتا ہے اور یہ واقعات کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخی واقعات کو ناول کا موضوع بنا کر پیش کرنا ایک مشکل اور محنت طلب کام بھی ہے۔ تاریخی واقعے کی غلط عکاسی کر کے تاریخ کو مسخ کر دینے کے مترادف ہے۔

رسوآ نے تنقیدی مراسلات کے عنوان سے پانچ پُر مغز مضامین لکھے ہیں۔ یہ مضامین ان کے نفسیاتی شعور کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان مضامین ڈاکٹر محمد حسن نے "مرزا رسوا کے تنقیدی مراسلات" کے نام سے مرتب کر کے علی گڑھ سے شائع کیا۔ مرزا رسوآ فلسفہ اور نفسیات کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ اس لیے ان تنقیدی مراسلات میں نفسیاتی تنقید کے واضح اشارے ملتے ہیں۔ بظاہر ان پانچ مراسلوں میں زیادہ تر بحث شعر و شاعری پر کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ رسوا نے ناول کے فن پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس سے ناول کے فن کے متعلق ان کی نفسیاتی شعور کا ادراک ہوتا ہے۔ ان مراسلات کی اہمیت اور افادیت کے متعلق ڈاکٹر محمد حسن دیباچے میں لکھتے ہیں:

"یہ تنقیدی مقالات آج بھی اردو تنقید کی دنیا میں ایک نئی آواز ہیں۔ یہ آواز، آوازِ بازگشت نہیں۔ اس میں نئے دور کی بصیرت ہے۔ ہمارے تنقیدی ادب کا سرمایہ بڑا مختصر ہے اور اس مختصر سرمائے میں بھی نظریاتی تنقید بہت کم ہے علمی تنقید زیادہ۔ مرزا رسوا کی تنقیدی مراسلات علم النفس کی جدید معلومات کی روشنی میں ادب اور اس کے اجزا و عناصر کو سمجھنے کی پہلی کوشش کہی جا سکتی ہے۔ ان میں بصیرت بھی ہے اور ندرت بھی۔ اس اعتبار سے مرزا رسوا اپنے اکثر معاصرین سے کہیں زیادہ جدید ہیں اور ان زاویہ نظر بعض حیثیتوں سے کہیں جامع ہے۔ مرزا نے ادب اور شعر کے بنیادی مسائل پر توجہ کی اور ان کے سطحی یا سرسری جوابات سے مطمئن ہونے کے بجائے فنی اقدار کی جستجو کی۔"١٦

ان مراسلات کی تنقیدی اہمیت کے بارے میں خود رسوا لکھتے ہیں:

"میرے اس خط اور دوسرے خطوں کا جو اس کے بعد لکھے جائیں گے، یہ منشا ہو گا کہ علم شعر کی ان خوبیوں کو جنھیں اردو زبان کی شاعری ڈھونڈ رہی ہے، حتی الوسع بیان کروں مگر سخت مشکل یہ ہے کہ ان امور کو سمجھنے کے لیے جنھیں میں ذکر کیا چاہتا ہوں مبادی اور مسائل علمِ نفس سے واقف ہونا ضروری ہے اور اس علم کی کوئی کتاب بالفعل زبان اردو میں نہیں ہے۔"١٧

مرزا رسوا نفسیات کا نہ صرف علم رکھتے تھے بلکہ انھوں نے اس علم کو اپنے ناول اور تنقیدی مراسلات میں بروئے کار لانے کی بھرپور سعی بھی کی ہے۔ رسوا وہ پہلے ادیب ہیں جو نفسیاتی شعور رکھتے تھے۔ اسی نفسیاتی شعور کی وجہ سے انھوں نے اردو ادب میں نفسیاتی تنقیدی دبستان کی بنیاد رکھی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"مرزا رسوا پہلے ادیب ہیں جنھوں نے ادب کی پرکھ کے لیے نفسیاتی اصولوں سے کام لینے کی تلقین کرتے ہوئے خود بھی ان ہی اصولوں کے تحت اظہارِ خیال کیا۔"١٨

رسوا نے اپنے مراسلات میں زیادہ تر شاعری پر بحث کی ہے۔ شاعری میں نت نئے تجربات اور اختراع کی بات کرتے کرتے اس درمیان انھوں نے ناول کے فن اور موضوعات پر بھی اچھی خاصی تنقیدی بحث سمیٹی ہے۔ مرزا رسوا تک آتے آتے اردو ناول کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ رسوا کے زیرِ مطالعہ نہ صرف مشرقی ناول تھے بلکہ مغربی ناول بھی ان کی نظروں سے گزرے تھے۔ رسوا ان تمام ناولوں کے مطالعے کے بعد ایک جامع تنقیدی نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اردو ادب میں

ایک ہی طرح کے موضوعات سے مزین ناولوں میں کیا کیا قباحتیں ہوتی ہیں۔ رسوا چوں کہ کورانہ تقلید کو نہ صرف برا سمجھتے تھے بلکہ ہر صورت اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ رسوا ان ناولوں کے عام اور سطحی موضوعات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اکثر ناول جو اس زمانے میں لکھے گئے ہیں ،ان سب میں ایک ہی طرح کے منظر ہوتے ہیں۔ وہی ہر پھر کے آتے ہیں۔ جیسے اس شہر میں ایک غریب تھیٹر تھا جسے لوگ مذاق سے "چیتھڑا کمپنی" کہتے تھے۔۔اس میں چند پردے تھے۔ خواہ مخواہ تماشہ میں وہی پردے باربار دکھائے جاتے تھے،خواہ ان کا محل ہو یا نہ ہو۔اکثر تقلید پیشہ ناول نویسوں نے رینالڈ کے ناول انگریزی میں پڑھے ہیں۔ اس کے مضامین جس قدر یاد رہ گئے ہیں،ان کو اپنے ناولوں میں صرف کرتے ہیں۔ قصے میں بھی کوئی جدت نہیں ہوتی ۔ میں نے کسی انگریزی کتاب میں انگلستان کے ناول نویسوں کے پلاٹ کی ایک عام صورت پڑھی تھی ۔واقعی ناولوں میں اس کے سوا ہوتا ہی کیا ہے۔ ممکن ہے ہمارے ناول نویسوں کے لیے بھی ایسا ہی ڈھانچہ بنا دیا جائے۔ اس پر ہزاروں ناول نام بدل بدل کر لکھ دیے جائیں۔"۱۹

رسوا ناول کے موضوع میں تنوع اور فن میں نت نئے تجربات کا حامی ہے۔ناول میں گھسے پھٹے موضوعات سے اجتناب برتنا چاہیے۔اس ضمن میں رسوا ایک عامیانہ کہانی کی مثال پیش کرتے ہیں کہ ناول میں ہیرو اور ہیروئین کا ملنا، بچھڑنا اور آخر میں پھر ملنا،ایسا آزمودہ نسخہ بن چکا ہے کہ ہر دوسرے ناول میں یہی قصہ دہرایا جاتا ہے۔جب کہ کامیاب ناول وہ ہوتا ہے جس کا موضوع عام ڈگر سے ہٹ کر ہو۔انھوں نے رینالڈ کے موضوعاتی تقلید کو معیوب خیال کیا ہے، کیوں کہ ایسی تقلید میں نہ تو موضوعات میں تنوع آسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اختراعی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ رسوا جدید فنی شعور رکھنے والا فن کار تھا۔ان اس قسم کی مقلدانہ روش کی توقع رکھنا عبث تھا۔ وہ ناول کے پلاٹ اور موضوعات میں وسعت کا خواہاں تھا۔ ان کا منشا تھا کہ ناول کو نئے موضوعات سے آراستہ و پیراستہ کرنا چاہیے۔ناول کے پلاٹ کے متعلق رسوا کا نظریہ بہت واضح تھا۔پلاٹ اور اس کی تنظیم و ترتیب سے متعلق وہ پوری آگاہی رکھتے تھے۔ان ہی مراسلات میں آگے اردو ادب کے ناولوں کی ایک اور خامی کے متعلق لکھتے ہیں:

"ایک اور خرابی ہمارے ملک کے ناولوں میں پردہ کے اصول کی وجہ سے ہے۔ کیوں کہ عوام عشق اور عاشقی کو ہر قصہ کی جان سمجھتے ہیں۔ لذتِ فراق اور انتظار سب سے عمدہ مضمون خیال کیا جاتا ہے۔ پھر اگر کسی پردہ نشین سے سامنا ہو بھی گیا تو بغیر اس کے کہ اس کی عصمت پر دھبا لگے ،پیام سلام،وعدے وعید، فراق انتظار۔ یہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور جب

تک یہ نہ ہو قصے کا مزہ کیا۔ لہٰذا لازم ہوا کہ ہر ایک قصہ میں ناجائز محبتوں کا تذکرہ ہو اور یہ
موجب خرابیِ اخلاق کا ہے۔" ۲۰

مرزا رسوا اردو ناول کے لیے موضوعات کا تعین کرتے ہوئے ہم عصر ناولوں کی قباحتوں کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معاصر ناول کے موضوعات اکتاہٹ اور بے زاری پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ ایک ہی طرح کے معاشرتی مسائل پر مبنی ناول یا عامیانہ طرز کے عشقیہ کہانیوں پر لکھے گئے ناول، صنفِ ناول کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ ہمارے ہاں ناول سے پہلے چوں کہ داستانوں کا رواجِ عام تھا اور داستانوں میں محیر العقول واقعات کے علاوہ جس چیز کو زیادہ نمایاں کیا جاتا تھا وہ عشق و محبت کے ہجر و وصال کے رنگین قصے ہوتے تھے۔ یہی وہ آزمودہ فارمولہ تھا جس نے ابتدا میں اردو ناول کے فارم کو متاثر کیا۔ مگر یہ استثنائی حالت تھی، کچھ ناول نگار بشمول خود رسوآ کے ناول، ان کے موضوعات کی انفرادیت پر دلالت کرتے ہیں۔

رسوآ نے ادیب کو مصور سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ایک مصور رنگوں سے تصویر میں جان ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح ادیب لفظوں سے تصویر کشی کر کے معاشرے کی ایک حقیقی تصویر آنکھوں کے سامنے لاتا ہے۔ زبان کی افادیت اور موزونیت کے بارے میں رسوا سے مصوری اور موسیقی سے زیادہ پُر تاثیر سمجھتے ہیں ۔ زندگی کی سچی اور حقیقی تصویر جس طرح ناول نگار دکھاتا ہے۔ وہ قاری کے ذہن کو جھنجھوڑتا ہے۔ اس ضمن میں رسوآ لکھتے ہیں:

"اگرچہ ادیب مصور کی طرح کسی چیز کی رنگت اور شکل آنکھ سے نہیں دکھا سکتا، نہ خوش آئند سُر کانوں تک پہنچا سکتا ہے لیکن وہ الفاظ کے ذریعے سے ہر چیز کی صورت صفحۂ تخیل پر کھینچ سکتا ہے، نہ صرف ایک رخ سے بلکہ مختلف رخوں سے۔ اور یہ ذہنی تصویر بہ نسبت جسمانی تصویر کے زیادہ پائیدار ہوتی ہے۔ الفاظ کے انتخاب اور تالیف سے نہ صرف نظم بلکہ نثر میں بھی یہی اصولِ موسیقی کا مزہ پیدا ہو سکتا ہے۔" ۲۱

ناول کے موضوع کا تعلق معاشرے سے ہونا چاہیے تاکہ پڑھنے والے کو اس میں اپنی زندگی کا عکس نظر آئے۔ موضوعات کے ضمن میں نت نئے تجربات سے ہی ناول کا فن ترقی کر سکتا ہے۔ کیوں کہ رسوا کا خیال تھا کہ اردو ناول نگار وں میں نئے مضامین کو ناول کا موضوع بنانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ رسوا ناول کے موضوعات کے متعلق لکھتے ہیں:

"ہم نہ خارج سے مضامین اخذ کرتے ہیں، نہ ذہن سے۔ ہم کو اس کی قدرت نہیں کہ کسی منظر کو دیکھ کے زبانِ قلم سے اس کی تصویر کھینچ سکیں۔ فطرت کے ملاحظے کا ہمارے ملک میں بہت ہی کم شوق ہے۔ جمال اور عظمت کے تصورات سے اذہان قاصر ہیں، نئے مضامین کیوں کر نکالیں۔" ۲۲

ناول کی بنت میں اس کے موضوع کو بہت اہمیت حاصل ہے کیوں کہ ایک طبع رسا ناول نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ خارج سے جو بھی مضمون اخذ کرے۔ اسے اپنے مشاہدے کی کسوٹی پر خوب پرکھے۔ اس کے بعد اس کو ناول کے فنی سانچے میں ڈال کر اس کی نوک پلک سنوار کر پیش کریں۔ ایک اچھے ناول کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ ناول نگار کے اس مشاہدے کا ثمر ہو جس کا تانا بانا اس نے معاشرے کی خارجی حالات سے بُنا ہو۔

رسواؔ کے ناول کے متعلق تنقیدی نظریات محض زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ انھوں نے اپنے ناولوں میں اس کے عملی نمونے بھی پیش کیے۔ رسواؔ کے فن ناول نگاری کی تنقیدی بصیرت کے متعلق ڈاکٹر سلیم اختر رقم طراز ہیں:

> ”اردو ناول کے لیے ان کے ذہن میں جو معیار تھا وہ ان کے زمانہ ہی میں وقیع نہ تھا بلکہ آج اس کی اہمیت اس بنا پر اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ ہمارے نقاد مغربی نقادوں کے خیالات کا سہارا لے کر جب چلے تو بات اس سے آگے نہ بڑھ سکی کہ ناول کے لیے کسی نہ کسی نظریہ حیات کی موجودگی لازمی ہے اور یہی بات مرزا رسواؔ نے ناول کی موجودہ زمانے کی تاریخ بتا کر واضح کرنے کی کوشش کی۔ نذیر احمد کی مانند انھوں نے ناول کو تعلیم و تدریس کا ذریعہ نہ بنایا۔ شرر کی مانند قومی احساس کمتری دور کرنے کا وسیلہ نہ سمجھا اور نہ ہی سرشار کی مانند ایک داستان نما ”فسانہ“ تخلیق کیا۔ جہاں امراؤ جان ادا کی وجہ سے ان کا نام عظیم ناول نگاروں کے ساتھ لیا جاتا ہے وہاں اپنے نظریہ ناول نگاری کی بنا پر وہ ذہنی لحاظ سے موجودہ دور کے نقادوں کے پیش رو بھی بن جاتے ہیں۔“۲۳

ڈاکٹر سلیم اختر کی مذکورہ بالا رائے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرزا ہادی رسوا اردو میں ناول کے جدید تنقیدی نظریات خاص کر نفسیاتی تنقید کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ رسوا علمِ نفسیات اور فلسفہ کے مرد میدان تھے۔ اسی لیے پہلی مرتبہ انھوں نے ناول کے کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ پیش کرنے کی بات کی۔

مرزا رسواؔ کی تنقیدی بصیرت اردو ناول کے بارے میں ابتدائی تنقیدی آرا کے ضمن میں خاصی جدید ہے۔ رسواؔ کا ناول میں استعمال ہونے والی زبان، پلاٹ اور کرداروں کے نفسیاتی تجزیے کے متعلق نظریہ جدید تنقید کی بنیاد بنا۔ بعد میں آنے والے تنقید نگاروں نے ان ہی اصولوں پر اپنی تنقیدی عمارت کھڑی کی۔ رسواؔ کے مراسلات دراصل اردو میں نفسیاتی تنقید میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس سے اردو میں نظریاتی اور عملی تنقید کے نئے در وا ہوں گے۔

رسواؔ چوں کہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ انھیں ایک ساتھ کئی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ علمِ نفسیات کی موشگافیوں سے واقفیت کی بنا پر انھوں نے اسی علم سے ناول نگاری اور تنقید میں بھرپور استفادہ کیا۔ ان مراسلات کا ژرف بینی سے

مطالعہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ رسوآکا نظریہ ناول کس قدر نفسیاتی اور سائنسی اصولوں پر مبنی ہے۔ کئی علوم میں دست گاہ رکھنے کی وجہ سے ان مراسلات میں انھوں نے ادب کا تجزیہ جدید علوم کے تناظر میں کیا ہے۔

رسوآ اپنے ہم عصر ناول نگاروں سے ہر دو لحاظ سے منفرد مقام کا حامل ہے۔ ایک انھوں نے پہلی مرتبہ امراؤ جان ادا کی صورت میں اردو ناول کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا۔ دوسری انھوں نے اردو میں نفسیاتی تنقید کی بنیاد بھی رکھی۔ انھوں نے ناول کے لیے علم النفس کو اہم قرار دیا۔ رسوآ کی اس انفرادیت کے متعلق ڈاکٹر سلیم اختر رقم طراز ہیں۔

> "اُردو میں نفسیاتی تنقید کے آثار غالباً دیگر دبستانوں کے مقابلے میں قدیم تر ہیں۔ میرے خیال میں مرزا ہادی رسوآ کو بلا مبالغہ اردو کا پہلا نفسیاتی نقاد قرار دیا جاسکتا ہے۔"۲۴

ان تمام اسباب و وجوہات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اردو میں نفسیاتی ناول اور تنقید کے بنیاد گزاروں میں رسوا کا مقام و مرتبہ تقدیم کا باعث ہے۔ ان کی تنقید اپنے اندر وسعت کا ایک خزینہ بے بہا رکھتا ہے جو آنے والی ناول کی تنقید میں بڑی مفید اور کارآمد ثابت ہوئی۔ رسوا کے تنقیدی مراسلات اس امر کے متقاضی ہیں کہ ان کی وساطت سے ناول اور شاعری کو ان اصولوں کی کسوٹی پر جانچا جائے۔ بقول ڈاکٹر محمد حسن:

> "ان مراسلات سے اردو کے تنقیدی ادب میں یقیناً اضافہ ہو گا اور ایک ایسا نقطۂ نظر سامنے آئے گا جو غور و فکر کے نئے دروازے کھول سکتا ہے۔"۲۵

حوالہ جات

۱۔ محمد حسن، ڈاکٹر دیباچہ: "مرزا رسوا کے تنقیدی مراسلات"، محمد ہادی، مرزا، ادارۂ تصنیف، علی گڑھ، ۱۹۶۱ء، ص ۷

۲۔ ارتضیٰ کریم، اردو فکشن کی تنقید، عکس پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۲۵-۲۶

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی دبستان، سنگِ میل، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۷۰

۴۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۵۔ محمد عظیم اللہ، ڈاکٹر، اردو ناول پر انگریزی ناول کے اثرات، دار الشعور، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۹

۶۔ اکرم کنجاہی، لاشعور سے شعور تک، رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۲۱ء، ص ۱۸

۷۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، اصطلاحات (ادبی، تنقیدی، تحقیقی، لسانی) بک ٹائم، کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۴۰۷

۸۔ ارتضیٰ کریم، اردو فکشن کی تنقید، کتابِ مذکور، ص ۲۶

۹۔ ایضاً، ص ۲۶

۱۰۔ محمد ہادی، مرزا، رسوآ، ذات شریف، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۲۱ء، ص ۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۴

۱۲۔ ایضاً، ص ۳-۴

۱۳۔ ایضاً، ص ۴

۱۴۔ عظیم الشان صدیقی، اردو ناول آغاز وارتقا، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۴۲۲

۱۵۔ محمد ہادی، مرزا، رسوآ، ذات شریف، کتابِ مذکور، ص ۴

۱۶۔ محمد حسن، ڈاکٹر مرزا رسوا کے تنقیدی مراسلات، کتاب مذکور، ص ۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۴۱

۱۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نگاہ اور نقطے، مکتبۂ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۸۳

۱۹۔ محمد حسن، ڈاکٹر، مرزا رسوا کے تنقیدی مراسلات، کتاب مذکور، ص ۸۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۸۳-۸۴

۲۱۔ ایضاً، ص ۵۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۸۱

۲۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، داستان اور ناول، کتابِ مذکور، ص ۱۱۲

۲۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی دبستان، کتابِ مذکور، ص ۱۶۹

۲۵۔ محمد حسن، ڈاکٹر، رسوا کے تنقیدی مراسلات، کتاب مذکور، ص ۳۷